

ابن تیمیہ کی تقریر: ملوکیت ہماری امت میں جائز نہیں

حامد کمال الدین

ملوکیت (بادشاہت) سے متعلق بعض فضلاء وقتاً فوقتاً یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ قرآن مجید میں یوسف، داؤد اور سلیمان علیہم السلام ایسے انبیاء کو بادشاہت ملنے کا ذکر ہوا ہے۔ ستائش کے ایک نہایت واضح سیاق میں طالوت کو وقت کے نبی کے ہاتھوں بادشاہ بنانے کا ذکر ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو خدا کی نعمتیں یاد کروانے کے دوران یہ بیان آیا ہے کہ اللہ نے تمہیں بادشاہتیں عطا کیں۔ تاریخی طور پر بنی اسرائیل کے ہاں بادشاہتوں کا سلسلہ معروف ہے، درحالیکہ ان سب ادوار میں انبیاء ان کے ہاں تسلسل سے پائے گئے، بلکہ انبیاء کے ہاتھوں ان کے معاملات چلائے جاتے رہے۔ لہذا ملوکیت (بادشاہت) میں کیا قباحت ہے؟ بلکہ کچھ لوگ تو خلافت اور ملوکیت میں کوئی بڑا فرق کرنے کے بھی قائل نہیں۔ ان کے خیال میں یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، صورت کا تھوڑا فرق ہے۔

کچھ عرصہ پیشتر مجھے امام ابن تیمیہ کی تالیف ”خلافت و ملوکیت“ اردو میں ترجمہ کرنے کا موقع ملا، جو تاحال طباعت کے مراحل سے گزر نہیں سکا۔ اس میں ابن تیمیہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ ملوکیت (بادشاہت) کا ہماری اس امت کے حق میں کیا حکم ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اشکال کے معاملہ میں ابن تیمیہ کا جواب چند نکات میں مختصر کر دیا جائے۔

ابن تیمیہ کی تقریر کی رو سے:

○ ”خلافتِ نبوت“ اور ”ملک“ (جس کو ہم اردو میں ”ملوکیت“ کہہ دیتے ہیں، یعنی

بادشاہت) دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور یہ بات نص سے ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث میں

آپ ﷺ نے خلافتِ نبوت کے تیس سال تک رہنے کی پیش گوئی فرمائی، اور تیس سال کے بعد ملک یعنی بادشاہت آجانے کا ذکر فرمایا۔ پس ثابت ہوا یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، ایک نہیں۔ بلکہ ابن تیمیہ کے بقول، یہ نبوی پیش گوئی جن احادیث میں وارد ہوئی، ان میں سے بعض روایات کے اندر معاملہ کے ”خلافتِ نبوت“ سے ”ملوکیت“ پر چلا جانے پر نبی ﷺ کا کچھ اظہارِ تشویش فرمانا بھی ملتا ہے۔

○ ہماری اس امت کے حق میں ”خلافتِ نبوت“ ہی واجب ہے جبکہ ”ملوکیت“ ناقص۔
 ○ یہاں ابن تیمیہ احادیث سے استدلال کرتے ہوئے خود نبی کی دو قسمیں ذکر کرتے ہیں:
 ”نبی ملک“، جیسے داود اور سلیمان علیہما السلام وغیرہ۔ اور ”رسولِ عبد“ جیسے ہمارے نبی ﷺ۔ چنانچہ فرماتے ہیں: (حدیث میں) ہمارے نبی ﷺ کو باقاعدہ یہ چناؤ دیا گیا کہ چاہو تو ”نبی ملک“ بن جاؤ اور چاہو تو ”رسولِ عبد“۔ یہاں جبریل نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ اپنے پروردگار کے آگے تواضع اختیار کیجئے اور ”رسولِ عبد“ ہونا مانگ لیجئے، سو آپ ﷺ نے اپنے لیے یہی مانگا۔ ابن تیمیہ کے نزدیک: ”رسولِ عبد“ درجے اور اجر میں ”نبی ملک“ سے اوپر ہوتا ہے۔ چنانچہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد ﷺ درجے میں یوسف، داود و سلیمان علیہم السلام سے اوپر ہیں۔

○ رہ گیا پچھلی امتوں میں بادشاہتوں کا ذکر، تو یہ حق ہے۔ مگر ہماری اس امت کے حق میں خلافتِ نبوت ہی کو فرض ٹھہرایا گیا ہے، جس پر ابن تیمیہ کے نزدیک یہ حدیث نص ہے:
 ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ“۔ چنانچہ خلفائے راشدین کا طریقہ ہی اس امت کے حق میں لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ وہی ہے جو تیس سال تک رہا۔ نہ کہ وہ جو اس کے بعد آیا۔

○ خلافتِ نبوت (خلفائے راشدین کے طریقہ) پر قائم رہنا، اگرچہ فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ تاہم اس فرض کا چھوٹ جانا ابن تیمیہ کے نزدیک دو صورتوں میں ہو سکتا

ہے:

(۱) قدرت رکھتے ہوئے ایسا کرنا، جو کہ ظلم اور گناہ ہو گا۔

(۲) البتہ کسی وقت معاملہ بس سے باہر ہونا اور چار و ناچار اس کی صورت پیش آجانا۔ امت کے بہت سے صلحاء کے حق میں ابن تیمیہ اس امکان کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ متعدد سماجی فیکٹر ایسے ہو سکتے ہیں جو ان کے لیے گنجائش نہیں چھوڑتے (جبکہ معاملات کو معطل کرنا ممکن نہیں ہوتا)۔ (کچھ دوسرے مقامات پر) ابن تیمیہ حضرت معاویہؓ کی بادشاہت کو بھی اس زمرے میں رکھتے دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ ابن تیمیہ بعض ایسی احادیث کا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں ”خلافت نبوت“ کے بعد ”ملک و رحمتہ“ کی پیش گوئی کا ذکر ہے (مثلاً البانی کے سلسلہ احادیث صحیحہ میں ابن عباس کی یہ روایت رقم 3270: أولُ هذا الأمرِ نبوةٌ ورحمةٌ، ثمَّ يكونُ خلافةٌ ورحمةٌ، ثمَّ يكونُ ملكاً ورحمةً، ثمَّ يتكادمون عليه تكادُم الحُمُرِ ”اس معاملہ کا آغاز ہے نبوت اور رحمت۔ پھر یہ ہو جائے گا خلافت اور رحمت۔ پھر یہ ہو جائے گا بادشاہت اور رحمت۔ پھر وہ اس پر یوں منہ مارنے لگیں جیسے گدھے منہ مارتے ہیں“۔ ابن تیمیہ کے نزدیک ”ملک و رحمتہ“ کے یہ الفاظ حضرت معاویہؓ کی بادشاہت پر لازماً لاگو ہوتے ہیں۔

○ خلفائے راشدین کے بعد کے حکمرانوں پر لفظ خلیفہ کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ گو یہ خلفائے انبیاء نہیں بلکہ بادشاہ ہیں۔ ان پر لفظ خلیفہ بولنے کا جواز صحیحین کی اس حدیث سے ملتا ہے «كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْفُرُونَ» قالوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قال: «فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطَوْهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ سَأَلَهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ» ”بنی اسرائیل کا معاملہ یوں رہا کہ انبیاء ان کو چلاتے رہے، جیسے ہی کوئی نبی فوت ہوتا ایک دوسرا نبی اس کا

جانشین بن جاتا۔ بے شک اب میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ ہاں خلفاء ہوں سو وہ بہت ہوں گے۔ صحابہ عرض کی: تو آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا: جس کی پہلے بیعت ہو بس اسی کی بیعت نبھاتے رہو۔ تم ان کو ان کا حق دیتے رہو، کیونکہ اللہ نے ان کی رعیت میں جو کچھ دیا، اس کی بابت ان سے وہ خود سوال کر لینے والا ہے۔“ یہاں ابن تیمیہ کہتے ہیں: خلفائے راشدین کل چار ہوئے۔ جبکہ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ خلفاء آپ ﷺ کی امت میں بہت ہوں گے۔ لہذا بعد والوں کو لفظ خلفاء کے تحت ایک درجے میں ذکر کر لیا جانے کی گنجائش ہے۔ مزید اس کی دلیل ابن تیمیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اسی حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ جس کی پہلے بیعت ہو گئی ہو بس اسی کی وفاداری نبھاتے رہنا۔ جس میں اشارہ ملتا ہے کہ کوئی ایسے واقعات بھی ہوں گے کہ ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خلیفہ کی بیعت ہونے لگی ہو۔ جبکہ خلفائے راشدین کے عہد میں ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے کبھی کسی دوسرے شخص کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہیں ہوئی، لہذا آپ ﷺ کا یہ اشارہ خلفائے راشدین کے بعد کے عہد پر ہی منطبق ہو گا۔ لہذا ان (بعد کے حکمرانوں پر) اس حدیث کی رو سے لفظ خلیفہ کا اطلاق کر لینا ایک درجے میں درست ہو گا۔ نیز ابن تیمیہ کے نزدیک اسی حدیث سے ان کی اطاعت کا وجوب بھی نکلتا ہے: ”تم ان کو ان کا حق دیتے رہو، کیونکہ اللہ نے ان کی رعیت میں جو کچھ دیا، اس کی بابت ان سے وہ خود سوال کر لینے والا ہے۔“

جو لوگ عربی عبارت خود پڑھ سکتے ہوں، وہ ابن تیمیہ کے بیان کردہ اس بحث کو دیکھنے کے لیے اس لنک سے رجوع فرما سکتے ہیں:

<http://shamela.ws/browse.php/book-7289#page-16461>